عالمِ اسلام کا کردار
سید ابوالحسن علی ندویؒ کے افکار کی روشنی میں.

ڈاکٹر محمد عبداللہ☆

سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء کا تعلق ہندستان کے اس خانوادے سے ہے جس کے علم وفکر کے سوتے عربی زبان وادب سے پھوٹتے ہیں۔ اگرچہ پیدائشی طور پر وہ ہندستانی تھے، مگر ان کی عربی دانی وعربی نگارشات نے عالم عرب کے علماء وفضلاء سے جو خراج تحسین وصول کیا، وہ ماضی قریب میں کسی غیرعرب بالخصوص ہندستانی کے حصے میں نہیں آیا۔ اگر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت اور تعلیم وتربیت کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے دو عوامل نظر آتے ہیں۔ اولاً خاندان میں ایسے افراد بالخصوص والد مکرم مولانا عبدالحیؒ (صاحب نزھۃ الخواطر) اور برادر مکرم ڈاکٹر سید عبدالعلی کا ہونا اور ان میں عربی ادب کا ذوق پیدا کرنا کم سنی میں ہی اسلاف سے محبت اور عربی زبان وادب سے دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنا۔ ثانیاً رسمی درسگاہوں میں علامہ خلیل عرب اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی جیسے عظیم اساتذہ کا میسر آنا، جو نسلاً عربی تھے ان عوامل نے مولانا میں عربی زبان وادب سے محبت اور ذوق پیدا کرنے میں اور کمال مہارت تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔(۱)

ان دونوں عوامل نے سید ابوالحسن ندویؒ میں سوچنے، پڑھنے اور لکھنے کا عربی مزاج پیدا کر دیا اور ادب کے بلند پایہ مصنفین کی کتب نے ادب لطیف میں مزید نکھار پیدا کر دیا۔ اسی تربیت اور مہارت کا اثر تھا کہ آپ کی ابتدائی نگارشات عربی زبان وادب میں ہی

☆ لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

تھیں، آپ خود لکھتے ہیں:

بھائی صاحب (ڈاکٹر عبدالعلی) کو اللہ تعالیٰ نے تربیت کا بڑا ملکہ عطا فرمایا ہے، انہوں نے مجھے اس مضمون (تیرھویں صدی کا مجاہد اعظم از مولوی محی الدین قصوری) کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا اور اس کے لیے مناسب ہدایت ومشورے بھی دیئے، میں نے اس کا آزاد ترجمہ اور تلخیص کی اور اپنے فاضل استاذ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی المراکشی کے مشورے سے علامہ سید رشید رضا مصری کی خدمت میں بھیج دیا۔ علامہ موصوف نے اس کو نہ صرف اپنے رسالہ 'المنار' میں شائع کیا، بلکہ ترجمۃ السید الامام احمد بن عرفان الشہید، کے نام سے اس کو علیحدہ رسالے کی شکل میں شائع کر دیا۔ یہ غالباً ۱۹۳۰ء کا وقعہ ہے، اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔'' (۲)

اگرچہ ۱۹۴۷ء سے قبل سید ابوالحسن علی ندویؒ کسی عرب ملک میں نہیں گئے، تاہم آپ کی تصانیف ومضامین کی بدولت آپ کا تعارف ان ممالک میں ہو چکا تھا۔ خصوصاً آپ کی کتاب ماذا خسر العالم تو آپ کی پہچان اور شناخت بن گئی تھی اور آپ اپنے سے زیادہ کتاب کے مصنف کے طور پر ہی قبول ہوئے۔ اگر مذکورہ کتاب کی جمع وتسوید کا کام ہندستان ہی میں سرانجام پایا اور آپ کی مادری زبان بھی اردو ہی تھی، مگر کتاب کے نفس مضمون اور ''عالم عربی'' کی اہمیت و افادیت کے اعتبار سے ملک کی مروجہ زبان اردو کی بجائے عربی زبان کو اختیار کیا اور یوں اپنی اہم ترین کاوش کا اولین مخاطب 'عالم عربی' کو قرار دیا، لکھتے ہیں:

> عرب اپنی تاریخ اور جغرافیہ کے اعتبار سے اس کے اہل ہیں کہ بین الاقوامی سیادت سنبھال لیں اور پوری متمدن دنیا پر اثر ڈالیں۔ ان کے ممالک (بحیرۂ) احمر اور بحر متوسط کے کنارے واقع ہیں۔ وہ مغرب اور مشرق بعید کے درمیان میں ہیں۔ نئے عالم گیر انقلاب اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے عرب ممالک اور مشرق اوسط سے زیادہ موزوں سرزمین اور کوئی نہیں

ہوسکتی ۔ یہ اسباب ومحرکات تھے جن کی بنیاد پر ہندی نژاد مصنف نے عربی زبان کو اس اہم موضوع کے لیے انتخاب کیا اور کتاب سب سے پہلے عربی زبان میں لکھی گئی جس کا نام'' ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ''تھا۔''(۳)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا پیدائشی ونسبی تعلق اگر چہ ہندستان سے تھا تاہم ان کی شخصیت کا گہرا اثر عالم عرب میںؒ پایا جاتا ہے۔ان کی خدمت کا دائرہ کار عالم اسلام ہی نہیں، بلکہ عالم مشرق ومغرب تک محیط تھا۔اس پہلو سے دیکھا جائے تو ان کی شخصیت اور خدمات ہمہ جہت بھی ہیں اور آفاقی بھی.

خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

سید ابوالحسن علی ندویؒ کا یہ یقین تھا کہ جس طرح ماضی میں اسلام نے دنیا کو تاریکیوں اور گمراہیوں سے نکال کر روشنی اور ہدایت کے راستے پر گامزن کیا، آج بھی وہی دین ،عقیدہ اور کتاب یعنی قرآن مجید انسانیت کو راہِ راست پر لاسکتی ہے۔آپ کا یہ بھی یقین تھا کہ عالمی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ جس امت اور خطہ ارضی نے ماضی میں ادا کیا تھا مستقبل میں بھی قائدانہ کردار وہی امت ادا کرسکتی ہے اور وہ امت ،امت عربی ہے۔ممتاز عرب ادیب ڈاکٹر انور الجندی نے سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس پہلو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوے لکھا ہے کہ سید ابوالحسن علی ندوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عربوں کی طرف توجہ مبذول کی۔انہیں بیدار کیا اور حقیقی منصب اور ذمہ داری سنبھال لینے کی دعوت دی اور انہیں یاد دلایا کہ اللہ عزوجلؒ نے انہیں سرفرازی عطا کی ہے اور قرآن مجید نے انہیں اس کی دعوت دی ہے اور اسلام نے انہیں دنیا کی قیادت کے لیے تیار کیا ہے (۴)۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ جس ربانی ہدایت ،مومنانہ بصیرت اور بلند نگاہی کے مالک تھے انہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر نہ صرف مسلمانوں، خصوصاً عربوں کے زوال وپستی کے

اسباب وعلل کا تجزیہ پیش کیا، بلکہ پیش آمدہ حالات میں ان کے تدارک وسدباب کا طریقہ بھی بتایا۔ آج عالم عربی کا جو منظر ہمارے سامنے ہے سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آج سے بیسیوں سال پہلے اپنی تحریروں میں ان حالات کی نشاندہی کر دی تھی۔ پیش نظر مقالہ میں عالم عربی کے حوالہ سے سید ابوالحسن علی ندوی کے انہی افکار اور مومنانہ فراست کا مختصر جائزہ مطلوب ہوگا۔ یہ بحث تین حصوں پر مشتمل ہوگی:

۱۔ عالم عربی کی تاریخی وجغرافیائی اہمیت

۲۔ عالم عربی کو درپیش خطرات

۳۔ عالم عربی اپنا کھویا ہوا مقام کیسے حاصل کرے؟

۱۔ عالم عربی کی تاریخی وجغرافیائی اہمیت

دنیا کے افق پر عالم عربی تاریخی، سیاسی جغرافیائی اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ آغاز ہی سے وہ ان قوموں کا گہوارہ رہا ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس کا جغرافیہ ومحل وقوع دنیا میں مرکزیت کا حامل ہے۔ ہر قسم کے مسائل وذرائع سے مالا مال ہے۔ اس کے سینے میں دولت وطاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، معدنی وسائل میں اس کی پوری دنیا میں کوئی نظیر نہیں، تیل کی دولت سے مالا مال ہے جو آج کی ترقی کے لیے جسم میں خون کا درجہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عالمی استعمار اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور اس کے وسائل پر اس کی نظر ہے۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خیال میں ان وسائل کے پیش نظر اس بات کا امکان ہے کہ عالم عربی کو تیسری جنگ کا میدان بننا پڑے۔ آج کے حالات اگر پیش نظر رکھے جائیں تو عملاً یہ صورت حال موجود ہے اور امریکہ اور اس کے نام نہاد اتحادی عراق پر لشکر کشی کر چکے ہیں اور اس کے وسائل ہڑپ کر رہے ہیں اور دیگر مسلم ممالک پر اس کی نظر ہے۔ دوسری طرف عالم عرب کے مرکز میں اسرائیل کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ وہ فلسطینیوں سے جو چاہے سلوک

کرے اور اپنے مقبوضات کو جس قدر توسیع دے۔ اس کی بنیادی وجہ عالمی استعمار نہیں، بلکہ وہ عرب قیادت ہے جس کو حالات کا ادراک نہیں ہے۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ نے عالم عربی کی روحانی اور دینی حیثیت کو یوں دیکھا ہے:

''وہ عالم اسلامی کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی و دینی طور پر پورے عالمِ اسلام کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے.... یہ سب چیزیں ہیں جنہوں نے عالمِ عربی کو اہل مغرب کی نظر کا مرکز ان کی خواہشات کی آماج گاہ اور قیادت ولیڈر شپ کے لیے مقابلے کا میدان بنا دیا ہے۔(۵)

عالم عربی کی حقیقی روح

سید ابوالحسن علی ندوی نے دنیا کے مختلف طبقات اور قوموں کے لیے عرب ممالک میں وجہ نظر کشی کے مختلف اسباب بتائے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک مسلمان عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے اس میں اور ایک مغربی یا وطن پرست عرب کی نظر میں بہت فرق ہے۔ مسلمان عالم عربی کو کس پہلو سے دیکھتا ہے، سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی ﷺ عالم عربی کی جان، اس کی عزت وافتخار کا عنوان اور اس کا سنگ بنیاد ہیں، اگر اس سے محمد رسول اللہ ﷺ کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاش اور بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی کیونکہ آپ کی ذات ہی کی بدولت عالم عربی وجود میں آیا۔(۶)

سید ابوالحسن علی ندویؒ اس روحانی قوت کو وہ مقام دیتے ہیں کہ جس کی بنا پر آج بھی عالم عربی امت مسلمہ کی قیادت کر سکتا ہے ایک داعی اور متنبہ کرنے والے کے انداز میں فرماتے

ہیں:

''اے عربو! اسلامی دنیا تمہارا احترام کرتی ہے۔ اس کی قدر کرو، اسلامی غیرت اور انسانی ہمدردی کے باقی ماندہ اثاثے کو لے کر اُٹھو، دنیا تمہاری منتظر ہے کہ تم اسے اس بیسویں صدی کی جہالت سے نکالو، جس نے اسے پامال اور مشرق ومغرب کو مسموم کر دیا، قیادت اور ہدایت کے اپنے دیرینہ منصب ومقام کی طرف لوٹو، آفاق کی وسعتوں میں دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دو، کامیابی اور کامرانی ہر معرکہ میں تمہاری ہم رکاب ہوگی۔ (۷)

عالم عربی کو درپیش خطرات

سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی اجتہادی بصیرت اور مؤمنانہ فراست سے کام لیتے ہوے عالم عربی کے ان خطرات کی نشاندہی بھی کی ہے جو اس کو مطلوبہ قیادت اور متحرک کردار سے دور کر رہے ہیں.

اس سلسلے میں سب سے خطرناک رجحان عرب قومیت کا رجحان ہے جس نے پچھلے کئی عشروں سے عالم عربی کے اذہان وقلوب کو مفلوج کر رکھا ہے اور اس کو عالم اسلام کی قیادت سے محروم کر دیا ہے۔ عرب قومیت کے فروغ ورجحان کے بہت سے مضمرات سامنے آئے ہیں چنانچہ مولانا علی میاں عرب قومیت کے مقابلے میں اسلام اور محمد ﷺ کی ذات کو اجاگر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، لکھتے ہیں:

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے۔ محمد ﷺ اس کے امام اور قائد ہیں، ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسے پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتح یاب ہوا۔ اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے اور اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے۔ (۸)

عالم عربی کا یہ وہ رجحان ہے جس کی طرف علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں جا بجا

اشارات دیئے اور وطنیت ولسانیت اور علاقیت کو امت مسلمہ کے لیے خطرہ بتایا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

قومیت کے اس رجحان کے ساتھ ساتھ عرب ممالک میں مغربیت کی اثر پذیری اور مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات بھی تیزی سے نفوذ کر رہے ہیں۔ سوچ وفکر سے لے کر طرز زندگی تک ہر چیز میں مغربیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس سے عالم عربی کا تشخص تیزی سے مجروح ہو رہا ہے۔ اگر چہ اس کی بڑی وجہ عرب قیادتوں کا مغرب کی فکری و مادی قوتوں پر حد سے زیادہ اعتماد کرنا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی بے محابا آزادی نے بھی اس اثر ونفوذ کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے برملا اس رجحان پر تنقید کی اور عالم عربی کے لیے اس کو ناسور سے تعبیر کیا ہے۔

ساتھ ہی آپ نے عالم عربی کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ اپنی تجارت: مالیات، صنعت وحرفت اور تعلیم میں آزاد وخود کفیل ہوں' وہاں کے رہنے والے انہی چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت وحرفت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں، اپنی تمام ضروریات، مصنوعات غذا، لباس، ہتھیار، مشین، آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں،،

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے۔ تو وہ اس لیے جنگ نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی مدد کا محتاج ہے جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے وہ قلم بھی مغرب کا بنا ہوا ہے۔ اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کا استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار کردہ ہے۔ عالم عربی کے لیے یہ ایک بڑی بڑا المیہ ہے کہ وہ اپنی دولت کے ذخیروں اور قوت کے

سرچشموں سے خود فائدہ نہ اُٹھا سکے، زندگی کا خون اس کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اس کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انہیں کے سپرد ہوں، عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم، درآمد و برآمد، قومی صنعت اور فوج کی ٹریننگ، مشینوں اور حالات حرب پر اس کا مکمل قبضہ ہو۔ (۹)

یہ بھی ایک حقیقت ہے اقوام عربی نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا۔ خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہوگئی جو ایک بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا اہم سبب ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوجی ایکسپرٹ جو قوموں کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہوگئی، جسم کمزور ہو گئے، لوگ ناز و نعم میں زندگی گزارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور قریب ہے عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرہ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں۔ لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے ضروری ہے شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت اور مصائب پر استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ارموا فان اباکم کان رامیا

اے اہل عرب تیر اندازی کی مشق رکھو، اس لیے کہ تمہارے جد امجد حضرت اسماعیل تیر انداز تھے، تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا، عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرت مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی و بے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت و غفلت بڑھی اور ضبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی تو اس کا ستارۂ اقبال غروب ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے، یونانی، رومی، اور ایرانی اقوام کا انجام ہوا اور یورپ بھی اسی راہ پر گامزن ہے، عالم

عربی کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو(۱۱)

مولانا علی میاں نے اپنی تحریرات میں عالم عَربی کے اہم مسئلہ فلسطین کے بارے میں کئی مقامات پر اپنی تشویش کا اظہار فرمایا۔ اپنے دورۂ فلسطین کے موقع پر ۱۹۶۰ء میں جو مقالہ پڑھا اس کا عنوان تھا ' اسلامی بیداری اور مسئلہ فلسطین'. اس کے علاوہ آپ نے مدینہ منورہ میں خطاب کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال۔

عالم عربی کے حالات اور سید ابوالحسن علی ندوی!

سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی تصانیف اور مقالات میں نیز مختلف عرب ممالک کے دوروں میں عالم عربی کی بیداری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، مولانا علی میاں نے اسمعیات، کے نام سے ہر ملک کو مخاطب کیا مثلاً اسمعی یامصر، اسمعی یا سوریا، اسمعی یا زہرۃالصحراء(الکویت) ،اسمعوھامنیّ صریعۃ،ایھاالعرب! ،الخطرالاکبرعلی العالم العربی، کیف یستعبدالعرب مکانتھم، ان خطابات کے عنوانات سے عرب دنیا کو جھنجوڑا.

اس کے علاوہ سید علی میاں نے حجاز مقدس اور جزیرۃالعرب کے مسلمان فرمانرواؤں کو خطوط تحریر کیے، ان میں شہزادہ سعود بن عبدالعزیز ولی وعہد مملکت سعودی عرب ،وزیرِ اعظم ترکی کے نام خط، امیر کویت الشیخ عبداللہ الصباح، شامل ہیں۔ ان خطوط میں انہوں نے فرمانرواؤں کی توجہ اسلام اور نبوت محمدی کے دامن کو مضبوطی سے تھامنے کی طرف مبذول کرائی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے یہ سب عزت وعزمت عطا کی اور دین و دنیا کی سعادت سے ہمکنار کیا اور انہیں متنبہ کیا کہ جدید وسائل اور اپنی سرزمین سے ابلنے والی دولت سے کام لینے کے لیے مغرب کا مقلد بننے کی بجائے اپنے دفاع، ذہانت، خودشناسی وخودنگری سے کام لیں.

ان خطوط ونصائح کا خاطر خواہ اثر ہوا، لکھتے ہیں' ان خطوط کے پیش کرنے اور ذمہ داران مملکت سے زبانی گفتگو کے موقع پر ہمیشہ خوش اخلاقی، کشادہ دلی، صبر وتحمل اور خندہ جبینی سے سابقہ پڑا۔ اس معاملہ میں شامل شاہ فیصل شہید سے سب سے بڑا سبب انہوں نے راقم

الحروف کو تحریر وتقریر کی مکمل آزادی دے رکھی تھی ۔جس کی وجہ سے میں بغیر کسی جماعت اور تذبذب کے ان سے اپنے دل کی بات کہہ دیتا تھا۔(۱۲)

ایک داعی اور مصلح کا کردار ادا کرنے کے ساتھ سید ابوالحسن علی ندوی نے عالم عربی کو ان کے مقام کا شعور اور ان کے احساس زیاں پر متنبہ کیا۔ اپنی تصانیف اور خطابات میں انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی، لکھتے ہیں:

''عرب ممالک اس احساس کمتری اور مرض خود فراموشی کا سب سے زیادہ شکار ہیں دنیا نے انہیں سے نئی زندگی اور نیا ایمان پایا ہے، لیکن آج انہیں کی فضا سب سے زیادہ خاموش ہے اور انہی کا سمندر سب سے زیادہ پرسکون ہے، بقول اقبال:

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذان میں نے
دیا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
وہ سجدہ روح زمین جس کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

اس طویل عرصہ کی خاموشی میں شیخ حسن البناء اور اخوان المسلمون کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں، جس نے عالم عربی میں ایک بیداری پیدا کی، تاہم وہ ان حالات میں بھی کسی بڑی قیادت اور بیداری کے منتظر ہیں:

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

مولانا علی میاں پہلی مرتبہ جب حج کی غرض سے حجاز گئے۔ عرب کے حالات، مغربیت، تجدد پسندی، قوم پرستی اور فکری و اخلاقی بدحالی سے بہت دکھ ہوا۔ یہی وہ موقع تھا جب اہل عرب میں کام کرنے کا جوش و جذبہ پیدا ہوا اور اس کے لیے بے چین و بے قرار ہو گئے۔ اپنے عزیز دوست، رفیق علم مولانا کے احساس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، لکھتے ہیں:

''دین کی تخم ریزی کے لیے اس کشت ویران میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیے، حجت تمام کر دیجئے دل کو جلایئے اور بدن کو گھلایئے، خون دیدہ اور خون جگر بہایئے اور اس طرح بہایئے کہ دجلہ وفرات اپنی تنگ ظرفی اور کم مائیگی پر ماتم کریں۔ایک ایک کا گریبان تھام کر کہیے کہ اے صحرائے عرب کے بہکے ہوئے آہو، اے عالم کی آبرو، اے ابراہیم علیہ السلام ومحمد ﷺ کی آرزو تو کہاں گم ہے؟

.....عراق کے اس مقبرہ میں صور پھونک دیجیے اور شور قیامت برپا کر دیجئے،،(۱۳)

سید ابوالحسن علی ندوی نے عالم عربی کے حالات آگاہی کے متعدد دورہ جات کیے۔یہ دورے بیشتر وہاں کے سفارت خانوں ،تعلیمی اداروں اسلامی تنظیموں اور علمی شخصیات کی درخواست پر ہوے تھے۔ان کا آغاز ۱۹۴۷ء سے ہوا اور تاحین حیات جاری رہا ہے۔ان دوروں میں جن قابل ذکر شخصیات سے ملاقات ہوئی ان میں احمد محمد شاکر، مفتی محمد امین حسینی، ڈاکٹر احمد امین، عباس محمود عقاد، احمد حسن زیات، شیخ محمد الغزالی، ڈاکٹر سعید رمضان، سید قطب شہید، ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، مفتی اعظم فلسطین، اردن کے بادشاہ عبداللہ اور ڈاکٹر حسن ترابی شامل ہیں۔

مولانا علی میاں کا معاصر عرب تحریکوں اور ان کے قائدین نیز تعلیمی اداروں کے سربراہان سے بھی باقاعدہ رابطہ رہتا تھا.

عالم عرب کے احالات خواہ کیسے ہی مایوس کن کیوں نہ ہوں' سید ابوالحسن علی ندویؒ نے عرب قیادت اور نوجوان نسل کو ہمیشہ روشن پہلو دکھایا اور ان میں امید ورجاو کی امنگ پیدا کی شرق اوسط کے دوران کیا دیکھا'' میں لکھتے ہیں:

''میں نے عالم عربی میں نئی بیداری کے آثار جگہ جگہ دیکھے۔ایک نئے اور بہتر دور کی علامتیں جگہ جگہ ابھر رہی ہیں۔رائے عامہ بیدار ہو رہی ہے، دلوں میں نظام اور دنیا کے آگے بگڑے ہوئے حالات سے بے اطمینان اور بے زاری عام ہے۔مغربی تہذیب وتمدن اور مغربی

اقدار کا ردِ عمل شروع ہو چکا ہے مجھے شرق اوسط میں اس علمی اور فکری بغاوت کے آثار جا بجا نظر آئے، جو بڑی اصلاحات اور اہم اور صالح انقلاب کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، (۱۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''شرق اوسط میں جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ مسرور کیا وہ یہ تھی کہ نیا طاقتور ایمان نوجوانوں میں نمایاں ہے، میں نے نئی نسل کو ایمان اور دینی غیرت کے بارے میں پرانی نسل سے بڑھا ہوا ہی پایا۔'' (۱۵)

حرفِ آخر

آج دنیا پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی مسیح میں تھی۔ یہ عالم پھر اسی دوراہے پر نظر آرہا ہے، جس دوراہے پر رسول اللہ کی بعثت کے وقت تھا۔ آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لیے جان کی بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت دنیا کی تمام نعمتوں، ترقی و خوشحالی کے امکانات اور اپنے سامان راحت کو خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

عالم عربی اپنی خصوصیات، محل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کی حقدار ہے، وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑہ اٹھائے گا اور مکمل تیاری کے بعد یورپ سے آنکھ ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تباہی و بربادی سے امن وسلامتی کی طرف لے جائے۔ (۱۶)

☆.....☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، کاروان زندگی، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی.

۲۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، سیرت سید احمد شہیدؒ، (جلداوّل) مجلس نشریات اسلام کراچی، ص۲۴.

۳۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر (اردو ترجمہ ماذخسر العالم بانحطاط المسلمین)، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ص۱۶.

۴۔ سید محمد اجتباء ندوی' حضرت مولانا علی میاں دیارعرب میں، سہ ماہی فکر اسلامی، مفکر اسلام نمبر شمارہ ۲۰ تا ۲۳، جولائی ۲۰۰۰ تا جون ۲۰۰۱ء، مرکز دعوت وارشاد، دارالعلوم اسلامیہ، بستی، یو، پی، الہند۔ص۳۸۳.

۵۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، حوالہ مذکور، ص۳۵۴، ۳۵۵

۶۔ حوالہء مذکور، ص۳۵۵۔

۷۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، علم عربی کا المیہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص۷۵، ۷۶.

۸۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، حوالہء مذکورص۳۵۷.

۹۔ حوالہء مذکور، ص۳۶۲۔

۱۰۔ صحیح بخاری.

۱۱۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص۳۶۰، ۳۶۱

۱۲۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۹۴ء ص ۲۳، ۲۴.

۱۳۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، کاروان زندگی، مذکور، ۱:۵۲، ۳۵۱

۱۴۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، شرق اوسط میں کیا دیکھا؟ مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنؤ ۱۹۵۳ء ص ۱۴.

۱۵۔ حوالہ مذکور، ص ۱۷

۱۶۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، حوالہ مذکور، ص ۳۷۳.

☆.....☆